حضرت مولانا امین الحق صاحب خطیب شیخوپورہ

رسولِ کریمؐ سے نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر

قرآن شریف میں کوئی ایسی نص صریح نہیں ہے جس نے صغر سنی میں نکاح کرنے کو منع فرمایا ہو۔ قرآن شریف کی جس آیت کیطرف عمر احمد عثمانی صاحب اشارہ کرنا چاہتے ہیں اس میں بھی یہ مذکور نہیں ہے کہ بلوغت سے قبل لڑکی یا لڑکے کا نکاح نہ کیا جائے بلکہ ان آیات میں یہ کہا گیا ہے۔ کہ یتیموں کا مال ان کی بلوغت تک ان کے حوالہ نہ کرو اور جب وہ بالغ ہو جائیں اور ان میں مال کی نگرانی اور حفاظت کا سلیقہ بھی موجود ہو تو ان کا مال ان کے حوالہ کر دو۔ آیات میں یتیموں کو ان کے اموال دیدینے کی بحث ہے۔ اور آزمانے کی حد بتلانے میں اصل مقصود بلوغت کو بیان کرنا ہے۔ اور بلوغت کی شرط قرآن شریف نے نکاح کے جواز کیلئے ذکر نہیں کی بلکہ بلوغت اور رشد کی شرط یتامیٰ کے اموال کو یتامیٰ کے سپرد کر دینے کیلئے ذکر کی گئی ہے۔ اور اس حد کے بیان کرنے میں اس مناسبت سے بلوغت کا ذکر کیا گیا ہے کہ لڑکا ہو یا لڑکی ان میں توالد اور تناسل کی صلاحیت بلوغت کے بعد آتی ہے اور نکاح کی غایت کے پیش نظر نکاح کا معتاد طریقہ یہی ہے کہ لڑکا ہو یا لڑکی ان کے بالغ ہونے کے بعد نکاح کیا جاتا ہے۔ عادت اور معمول میں نکاح کرنا بالغ ہونے کی دلیل اور علامت ہے۔ اور اس معتاد اور معمول طریقہ کے پیش نظر سورۃ نساء کی آیت میں اذا بلغوا النکاح فرمایا گیا ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ آیت نے بلوغ سے پہلے نکاح کرنے کو منع فرمایا ہے۔ قرآن شریف میں بکثرت ایسی مثالیں مذکور ہیں کہ کلام میں شرط اور تعلیق عادت اور معمول پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن اصل حکم پر اس شرط اور تعلیق کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ شرط اور تعلیق کے نہ ہونے کی صورت میں بھی جو حکم یا نہی کلام میں مذکور ہے، برابر قائم اور مامور بہ ہے۔ مثلاً رہن رکھنے کیلئے

کاتب کا نہ ملنا اور سفر کی شرط مذکور ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر دستاویز لکھنے والا موجود ہے یا سفر کی شرط پوری نہیں ہے تو رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔ ارتھان کی مشروعیت کیلئے کاتب کا نہ ملنا اور سفر کی شرط کا پایا جانا ضروری شرط نہیں ہے۔ اگرچہ آیت میں کاتب نہ ملنے کی شرط اور سفر کی تعلیق مذکور ہے۔ مگر معمول اور معتاد طریقہ یہ ہے کہ سفر میں ادھار لینے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اور کاتب نہیں ملتا۔ اس معمول اور معتاد طریقہ کے پیش نظر قرآن شریف کی آیات میں سفر اور کاتب نہ ملنے کی شرط اور تعلیق مذکور ہے ورنہ ارتہان کی مشروعیت کے حکم پر اس شرط اور تعلیق کے ہونے اور نہ ہونے کا کچھ اثر نہیں ہے۔ اسی طرح سورۃ نساء کی آیت میں بلوغت کی شرط کا صغرسنی کے نفس نکاح کرنے پر کچھ اثر نہیں ہے۔ بلوغت سے پہلے بھی نفس نکاح کیا جائے گا۔ البتہ معتاد اور معمول یہ ہے کہ توالد اور تناسل کا تعلق بلوغت کے بعد ہے۔ اور توالد و تناسل کے اسباب وعلل کی عمر بلوغت ہے کہ بلوغت جماع کی عمر ہے۔ جیساکہ حتی تنکح زوجا غیرہ میں نکاح کے معنی جماع کے ہیں۔۔۔

عثمانی صاحب نے سورۃ نساء کی آیت پر پوری توجہ سے غور نہیں کیا ہے۔ ورنہ ایسی راہ نہ چلتے جس پر ان سے پہلے کوئی فقیہہ اور قرآن وحدیث کا بنظر غائر مطالعہ کرنے والا نہیں چلا ہے۔ سورۃ نساء کی آیت میں ایک شرط یہ مذکور ہے۔ کہ یتیم نکاح کی عمر کو پہنچے اور دوسری شرط یہ مذکور ہے کہ اس یتیم میں مال کی حفاظت اور انتظام کا سلیقہ پایا جائے تو اس کا مال اس کے حوالہ کردو اور یہ دونوں شرطیں جملہ شرطیہ حتیٰ کے بعد مذکور ہیں اور ان دونوں شرطی جملوں کا اس آیت میں صرف ایک جواب مذکور ہے جو ذکر کیا گیا ہے کہ یتیم کو اس کا مال حوالہ کردو اور پہلے جملہ شرطیہ اذا بلغوا النکاح پر دوسرے جملہ شرطیہ فان انستم منھم رشدا۔ کا حرف فا کے ساتھ عطف ہوا ہے اور عربیت کا یہ ضابطہ ہے کہ حرف فا کے ساتھ جب ایک جملہ شرطیہ کا دوسرے جملہ شرطیہ پر عطف ہوجاتا ہے تو اس کلام میں جو بھی جواب مذکور ہوتا ہے وہ دونوں شرطیہ جملوں کا جواب ہوتا ہے۔

لہذا سورۃ نساء کی آیت کا مفہوم اسطرح ہے کہ جب یتیم نکاح کی عمر (توالد اور تناسل کی مناسب عمر) کو پہنچ جائے اور اس میں اپنے مال کے انتظام کا سلیقہ بھی پایا جائے تو اس کا مال اس کو دے دو۔ سورۃ نساء کی آیت میں کسی طرح بھی یہ مذکور اور مفہوم نہیں ہے کہ جب یتیم بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کرو اور جب اس میں مال کی حفاظت کا سلیقہ پایا جائے تو اس کا مال اسکو

دے دو۔ اگر مقالہ نگار صاحب نے آیت کا یہ مفہوم سمجھانا چاہا ہے کہ جب یتیم بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کرو اور جب اس میں مال کی حفاظت اور انتظام کا سلیقہ پایا جائے تو اس کا مال اسکو دے دو تو قرآن شریف کی ایک آیت میں اپنی طرف سے ایک جواب کا اختراع کرنا اور قرآن شریف میں مذکورہ دو جملوں کے ایک جواب کو الگ الگ جملوں کے الگ الگ دو جوابوں پہ تقسیم کرنا اگر تحریف نہیں تو اور کیا ہے۔؟

صحیح سند اور صحیح حدیث | محدثین کی اصطلاح میں متنِ حدیث کے طریقہ کا نام سند ہے۔ اور اس کو سند اس لئے کہا جاتا ہے کہ محدثین حدیث کی صحت اور ضعف میں سند کی صحت اور ضعف پر اعتماد کرتے ہیں [۱]

سند حدیث کی صحت اور ضعف کیلئے معیار ہے سند سے حدیث پہچانی جاتی ہے کہ وہ صحیح ہے یا ضعیف۔ البتہ جس حدیث کی سند صحیح یا حسن ہے تو جبتک شذوذ اور علت سے اس کا سالم اور محفوظ ہونا یقینی نہ ہو تو ایسی صحیح الاسناد حدیث سے احتجاج نہ کرنا چاہیئے۔ اس لیئے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ صحیح السند حدیث میں کچھ علت یا شذوذ ہو، محدثین کسی حدیث کو صحیح الاسناد کہتے ہیں۔ اور کسی حدیث کے بارہ میں یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ہاں کوئی امام حدیث جو اتقان اور تامل میں معتمد ہے اگر وہ کسی حدیث کو صحیح الاسناد کہہ دے اور کوئی علت اس میں ذکر نہ کرے اور نہ اس میں کوئی قدح کرے تو اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ امام اسکی سند کیطرح اس کے متن کو بھی صحیح قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ ابن صلاح نے کہا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں جب کوئی امام حدیث کسی حدیث کو صحیح کہنے کی بجائے صحیح الاسناد کہدے تو اس عدول کی کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔ ائمہ حدیث کے کلام میں اسکی تلاش کرنی چاہیئے کہ کسی امام نے اس حدیث کو صحیح یا حسن کہا ہو تو اس سے احتجاج کیا جائے گا۔ اور اگر کسی امام کے کلام میں اس حدیث کو صحیح یا حسن کہنا ثابت نہیں ہوا تو ایسی حدیث سے احتجاج کرنے میں بڑا خطرہ ہے [۲]

جس حدیث کی سند کو کسی امام حدیث نے صحیح کہا اور اس میں کسی علت اور قدح کا اظہار نہیں کیا ہے۔ تو ابن الصلاحؒ کے حسب ارشاد وہ حدیث صحیح ہے۔ اور بقول حافظ ابن حجرؒ اس کو حدیث صحیح نہ کہنا اور صحیح الاسناد کہنا کسی وجہ سے خالی نہیں ہے۔ ایسی حدیث سے احتجاج

---

۱ توجیہ النظر ص ۲۵ ۲ ایضاً ص ۱۵۵

کرنے میں متاہل نیز اپنے غور و نظر کے مطابق اس حدیث کے صحیح ہونے کا فیصلہ کریگا۔ یہ جمہور محدثین کی رائے ہے۔ ابن الصلاحؒ نے جمہور کی کچھ مخالفت کی ہے مگر یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ محدثین کی یہ تمام بحث ایسی حدیث کے بارہ میں ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی نہیں ہے اور نہ ایسے ائمہ حدیث نے اپنی مصنفات میں اسکی تصحیح کی ہے۔ جو مشہور اور معتمد ہیں۔ لیکن جس حدیث کو بخاریؒ اور مسلمؒ نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔ تو اس کے صحیح السند ہونے میں جمہور امت کے ساتھ جناب عمر احمد صاحب بھی اتفاق کرتے ہیں۔ مگر بخاریؒ اور مسلمؒ کا التزام یہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں صحیح احادیث کو روایت کرتے ہیں۔ اور جمہور امت نے صحیح مسلمؒ اور صحیح بخاریؒ کی مروی احادیث کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ خود امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کا صحیح حدیث نقل کرنے کا التزام کرتے ہیں۔ اور امت محمدیہ کے اہل علم کا امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے نقل کردہ حدیثوں کی صحت پر اتفاق ہے اور اس کے باوجود کالج کے شعبہ اسلامیات کے صدر محترم عمر احمد صاحب کا بخاریؒ اور مسلمؒ میں حضرت عائشہؓ کی عمر کے بارہ میں مذکورہ حدیث کو سند کے اعتبار سے صحیح تسلیم کرنا اور اس کے متن کے بارہ میں یہ کہنا کہ سند کا صحیح ہونا حدیث کے صحیح ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ بے راہروی اور سمجھ میں نہ آنے والی منطق ہے۔ محدثین نے اگر یہ کہا ہے کہ سند کا صحیح ہونا حدیث کے صحیح ہونے کو مستلزم نہیں ہے تو محدثین کے اس احتیاطی نظریہ کے ساتھ صحیح مسلم اور صحیح بخاری کا استثنا بھی لکھا ہے۔ اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ احتیاط کرنے والوں سے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے صحیح احادیث کو اپنی کتابوں میں روایت کرنے کیلئے اس درجہ اتقان اور احتیاط سے کام لیا ہے جس کے آگے کوئی حد نہیں ہے۔

عثمانی صاحب بہت بڑی غلط فہمی کے شکار ہو رہے ہیں کہ بخاری اور مسلم میں مذکورہ حدیث کی سند کے صحیح ہونے کے ساتھ حدیث کے صحیح ہونے کے استلزام کا انکار کرتے ہیں۔

صحیح حدیث کی تعریف | حافظ ابن الصلاحؒ اپنی کتاب علوم الحدیث میں صحیح حدیث کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ "صحیح حدیث وہ ہے جسکی سند متصل ہے۔ اور اول سے آخر تک اس کے تمام رواۃ عادل اور ضابط ہیں اور وہ حدیث شاذ اور معلل نہیں ہے۔ مرسل منقطع شاذ وغیرہ۔ یا جس میں علت قادحہ ہے یا کسی راوی میں ایک گونا جرح ہے صحیح نہیں ہے۔ جس حدیث میں یہ اوصاف موجود ہیں تو اس کے متعلق محدثین کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

علامہ جزائریؒ صحیح حدیث کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ اول سے آخر تک اسکی سند متصل ہے

عادل اور ضابط راوی اپنے جیسے عادل اور ضابط راوی سے روایت کرتا ہے۔ اور اس میں شذوذ اور علت نہیں ہے۔ جس حدیث کی اسناد میں اتصال نہیں ہے۔ یا جس حدیث کی اسناد میں ایسا راوی ہے جسکی عدالت معلوم اور معروف نہیں ہے۔ یا وہ کثیر الخطا ہے۔ اگرچہ وہ صدق اور عدالت میں معروف ہے تو ایسے راوی کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور جس حدیث میں ارجح راوی کی حدیث کی مخالفت ہے یا جس حدیث میں ایسی علت ہے کہ وہ حدیث کی صحت میں قادح ہے تو ایسی حدیث بھی صحیح نہیں ہے [1]

صحیح حدیث کی تعریف معلوم کر لینے کے بعد آپ سوچئے کہ جس حدیث کے رواۃ مذکورہ صفات سے موصوف ہیں، کیا ایسی صفات سے موصوف رواۃ کی سند سے مذکورہ حدیث کا متن صحیح نہ ہونا چاہئے اور کیا صدر محترم نے حضرت عائشہؓ کی عمر کے بارہ میں بخاری اور مسلم میں مذکورہ حدیث کے متعلق یہ انصاف کیا ہے کہ اسکی سند صحیح ہے۔ مگر اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ بخاریؒ اور مسلمؒ نے اپنی احادیث کی اسانید کیطرح اپنی احادیث کے متون کی صحت کا بھی التزام کیا ہے۔ اور ائمہ حدیث نے بخاریؒ اور مسلمؒ کی احادیث کے متون کی صحت پر اتفاق کیا ہے۔ نیز محدثین کا مذکورہ نظریہ کہ سند کا صحیح ہونا متن کے صحیح ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ اس احتیاط کی بنا پر تھا کہ اس حدیث کی سند کے تمام رواۃ عادل اور ضابط ہیں۔ مگر یہ ممکن تھا کہ کسی امام حدیث کو اس حدیث کے شذوذ اور کسی قادح علت پر اطلاع نہ ہوئی ہو۔ مگر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے متقن اور دقت نظر کے مالک حضرات نے جب حدیث کو صحیح کہا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس حدیث کے متن میں کسی قسم کا شذوذ اور علت نہیں ہے۔ پھر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی روایت کردہ حدیث کی سند کو صحیح ماننا اور اس کے متن کی صحت کا اعتراف نہ کرنا محترم عمر احمد صاحب کی بے انصافی نہیں تو اور کیا ہے؟

غرض یہ کہ حضرت عائشہؓ سے چھ سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہونا صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں صحیح اور ثابت ہے اور سند کی طرح حدیث کا متن بھی صحیح ہے۔ ہر قسم کے شذوذ اور علت قادحہ سے سالم اور محفوظ ہے۔ کسی صحیح حدیث اور زیادہ ثقہ رواۃ کی مخالفت اس میں محدثین کی ثابت نہیں ہے۔ صدر محترم عمر احمد صاحب کے اس تفرد پر کہ مذکورہ حدیث قرآن شریف

---

[1] توجیہ النظر ص ۶۹

کی نص صریح کی معارض ہے۔ جتنا بھی تعجب کیا جائے کم ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ باب طبقات کتب الحدیث میں لکھتے ہیں ؛

"لیکن صحیح بخاری اور صحیح مسلم پس محدثین کو اتفاق ہے کہ ان میں تمام کی تمام متصل مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ اور یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک متواتر پہنچی ہیں اور جو بھی ان کی عظمت نہ کرے اور انکی جلالت اور عظمت میں تساہل کرتا ہے وہ مبتدع بدعتی ہے۔ جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے"۔ ابو اسحٰق الاسفرائینی فرماتے ہیں۔ ائمہ حدیث کو اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث کے اصول اور متون قطعی اور یقینی صحیح ہیں[1]

خبر واحد ظنی ہے | عمر احمد صاحب نے بخاری اور مسلم میں مذکورہ حدیث کو پہلے قرآن شریف کا معارض بتلایا اور پھر خبر واحد ظنی کہہ کر اس کے استرداد اور اس کو غلط کہنے کا مطالبہ کیا ہے۔

یہاں خبر واحد کی ظنیت اور قطعیت کی بحث نہیں ہے۔ مقصد صرف اس قدر ہے کہ خبر واحد دلیل اور حجت ہے۔ اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ جمہور صحابہؓ تابعینؒ اور ان کے بعد کے محدثین اور فقہاء اور اصحاب اصول کا اتفاق ہے کہ خبر واحد ثقہ ثابت شرعی حجج میں سے ایک حجت ہے اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔ میں اہل بدعت کے سوا کسی اہل علم کو نہیں جانتا جس نے راوی کے تفرد کی وجہ سے کسی حدیث کو مسترد کیا ہو۔ بلکہ ائمہ علم اور ان کی راہ چلنے والوں نے متفرد راوی کی حدیث کو لیا ہے۔ اور اس پر عمل کیا ہے[2]

یہ تو تمام کتب حدیث میں مذکورہ خبر واحد کے متعلق اہل علم کا بیان ہے۔ لیکن صدر محترم خبر واحد کی ظنیت کا نظریہ اس حدیث کے متعلق لکھ رہے ہیں۔ جو بخاری اور مسلم میں مذکور ہے۔ مگر بخاری اور مسلم میں مذکورہ خبر واحد کے متعلق ائمہ حدیث کا نظریہ وہ نہیں ہے۔ جو دوسری کتابوں میں خبر واحد کے متعلق ان کا فکر ہے۔ (باقی آئندہ)

---

[1] توجیہ النظر ص۱۲۵ [2] الحدیث والمحدثون ص۲۵ ، ص۲۶

پشاور میں ہمارے قارئین الحق حسب ذیل پتہ پر بھی حاصل کر سکتے ہیں

مکتبۂ دینیات نور سنز قصہ خوانی پشاور